# مطبوعات

**اسلامک لٹریچر ـ اشاعتِ خاص** | بادارت جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی۔ مقامِ اشاعت: کشمیری بازار، لاہور۔ چندہ سالانہ دس روپے۔ فی شمارہ عہ/

یہ مسئلہ کہ ہم مسلمانوں کا نظامِ تہذیب و تمدن کیا ہے، وہ کہاں تک دوسرے نظاموں سے سمجھوتہ اور لین دین کر سکتا ہے، اس کا کیا جوہر دوامی اور ناقابلِ تغیر ہے اور کس حد تک وہ اپنے اندر نئے عناصر کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے سوالات آج غیر معمولی درجے کی اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ اس کا ایک واضح سبب یہ ہے کہ غیروں کی غلامی سے نجات پانے کے بعد مسلم اقوام کے اندر اسلامی اصولوں پر تعمیرِ نو کی تحریک رو بعمل آگئی ہے اور اہلِ مغرب کچھ اپنے دیرینہ تعصبات کے زیر اثر اور کچھ عالمِ اسلامی کو اپنے مفاد کی چراگاہ بنا رکھنے کے منصوبوں کے سبب اس تحریک کو سنگین خطرہ سمجھتے ہیں۔ اس خطرے کے سدِّباب کے لیے جہاں وہ ایک طرف دھڑے بندی کے معاہدوں اور طرح طرح کی مالی امدادوں کے جال پھینک رہے ہیں، وہاں دوسری طرف ایک زوردار محاذ آئیڈیالوجی اور کلچر اور تمدن کے میدان میں کھول چکے ہیں۔ مسلمان قوم کے نوجوانوں کو اپنے ہاں بلا کر، اپنے آدمیوں کو مسلم ملکوں کے نظم و نسق کے اندر اتار کر، وفود کے تبادلے کر کے، آرٹ اور کلچر کے ساحرانہ کھیل تماشے عام کر کے، اپنا لٹریچر پھیلا کر، نیز علمی و تحقیقی میدان میں گوناگوں بحثیں پیدا کر کے اور مسلمان قوموں کے اندر سے مغرب کی طرف جھکاؤ رکھنے والے عناصر کو اپنے ہاتھ میں لے کر اور ان کے ذریعے قسم قسم کے ادارے قائم کر کے وہ لوگ چند نتائج پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر مغربی فکر و تمدن کی فوقیت و عظمت خوب اچھی طرح نقش ہو جائے، وہ پوری طرح اس کی مرعوبیت، نقالی اور تقلید میں مبتلا ہو کر ذہنی لحاظ سے ابتدا ہی میں بازی ہار دیں، بیرونی نظریات و معمولات کے لیے اپنے معاشرہ کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیں اور ان کے اندر اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کا داعیہ سوکھ سوکھ کر مر جائے۔ اس صورتِ حالات نے مسلمانوں کو مسئلہ تہذیب و تمدن کے متعلق ایک تشویشناک کشمکش میں ڈال دیا ہے۔ اسی کشمکش کے زیر اثر انگریزی ماہنامے

• "اسلامک لٹریچر" نے اپنی ایک اشاعتِ خاص پیش کی ہے جس کا عنوان ہے "اسلامی تمدن مغربی تمدن کے مقابلے میں"۔ علمی لحاظ سے یہ ایک قابلِ قدر اقدام ہے۔ اداریے سمیت یہ مجموعہ تیرہ مقالات پر مشتمل ہے لیکن افسوس ہے کہ ایسے اہم موضوع پر اشاعتِ خاص مرتب کرنے کے لیے ادارہ کسی واضح مقصدی شعور کے ساتھ کامیاب منصوبہ بندی نہیں کر سکا جو جملہ متعلقہ سوالات پر حاوی بھی ہوتی اور موجودہ کشمکش سے نجات پانے میں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو مدد بھی دیتی۔ الٹا اسے پڑھنے سے یہ کشمکش اور زیادہ پیچیدہ الجھنوں میں جا پڑتی ہے۔ آج اصل فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ پرائی غلامی سے نکلنے کے بعد قوم اپنی خودی اور اپنے اصول و اقدار کے شعور کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو اور اپنی دنیا آپ بنانے کے جذبۂ بیدار سے کام لے کر ایک نئے دورِ تاریخ کا افتتاح کرے۔ مگر بدقسمتی سے یہ اشاعتِ خاص اس ضرورت کو اچھی طرح پورا نہیں کرتی۔ خصوصیت سے ادارہ کے اپنے نقطۂ نظر کا سبب ہم ناقدانہ جائزہ لیتے ہیں تو مقالۂ افتتاحیہ اور جملہ مضامین پر درج شدہ ادارتی اشارات میں بہت سی قابلِ قدر باتوں کے ساتھ تردیدِ فکری اور تضاد کی مثالیں سامنے آکر عجیب طرح کے بھنور سے پیدا کر دیتی ہیں۔ مثلاً بتایا جاتا ہے کہ مغرب کا جدید نظامِ تہذیب و تمدن اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ اُس نے انسانی زندگی کو داخلیت سے خارج کی طرف، روحانی نظامِ عبودیت و طاعت سے انضباطِ مادہ کی طرف، آفاقیت سے قومیت کی طرف، تصوریت سے واقعیت کی طرف، ازلی دوامی حقائق کے محدود دائرے سے متغیر و متبدل حوادث کے وسیع تر عالم کی طرف اور مذہبیت سے سیکولرازم کی طرف حرکت دی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ماضی کے دورِ اسلام کا از سرِ نو احیا ممکن نہیں ہے۔ اپیل کی گئی ہے کہ انسانیت کی خدمت کے لیے اسلام اور مغربی تمدن کو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے تعاون کی راہ چلنا چاہیے۔ مسلمانوں کے اس تصوّر کو سخت خطرناک قرار دیا گیا ہے کہ اسلام خدا کا عطا کردہ قانون و نظام ہونے کی حیثیت سے ناقابلِ ترمیم ہے۔ اس نقطۂ نظر کی حمایت کی گئی ہے کہ اسلامی تمدن کا تسلسل وجودِ مغربی تمدن کی صورت میں برقرار ہے۔ مغربی تمدن کی اس خوبی کو سراہا گیا ہے کہ اس میں یہ اندھا عقیدہ کارفرما نہیں کہ مذہبیات، نظریات اور اخلاقیات کے دوائر میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ قطعی ہے۔ ہمارا مدعا یہ نہیں کہ فاضل مدیر نے صرف

یہی باتیں اسی اجمال سے کہی ہیں، نہیں انہوں نے بہت سی اچھی باتیں دوسرے پہلو سے بھی ارشاد فرمائی ہیں اور اپنے خیالات کی تشریح و توجیہہ کی ہے۔ ہم صرف یہ تاثر دے رہے ہیں کہ اداراتی نقطۂ نظر خود الجھنوں اور تضادوں سے خالی نہیں۔

اب ہم مقالات کا بھی سرسری تعارف کرا دیں۔ وہ مقالات جو مغربی تمدن کے حق میں ہماری خودی کے اندر ایک جھکاؤ پیدا کرتے ہیں، تین ہیں۔ ایک تو خود اداریہ ہے، دوسرا ریحان شریف کا مقالہ ہے جس میں اخلاقی اصولوں کے لچک دار ہونے پر اصل زور استدلال صرف کیا گیا ہے، اور اجتہاد سے ایسی کاوش مراد لی گئی ہے جو کسی قانونی معاملے میں "آزادانہ فیصلہ" کرنے کے لیے کی جائے۔ ایک اور نکتہ بڑا دلچسپ ہے، امام غزالیؒ کے ہاں "سعادت" کی جو اصطلاح "عبادت" کے ساتھ ساتھ پائی جاتی ہے اسے مغرب کے پسندیدہ منتہا — " HAPPINESS " — کا ہم معنی قرار دیا ہے کجا غزالیؒ کا نظریۂ سعادت جس کی روح اخلاقی ہے اور کجا مغرب کا تصورِ مسرت جو یکسر مادیت زدہ اور نفس پرستانہ ہے۔ لفٹیننٹ کرنل اے۔ رشید کے مقالہ کا مرکزی نظریہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن ختم نہیں ہوا بلکہ وہ مغربی تمدن کی صورت میں جادۂ ارتقاء طے کر رہا ہے۔ اس کے اندر جتنا جوہر کام کا تھا وہ سارا مغربی تمدن نے اپنے اندر لے لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقالہ نگار کا حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن کے زوال کا اصل سبب تعددِ ازدواج تھا۔ اس دائرۂ اباحت سے مسلمان حکام و قائدین نے غیر عورتوں کو حرم میں داخل کیا اور ان عورتوں نے اپنی اپنی اولادوں کو مناصب کی جانشینی کا حق دلانے کے لیے سازشوں کا سلسلہ شروع کیا۔ نتیجہ یہ کہ تمام اسلامی نظامِ فکر و عمل تباہ ہو کر رہا۔ موصوف کی رائے کے مطابق مغربی تمدن میں ایسی خرابیاں نمودار ہو چکی ہیں کہ جن کے سبب اب وہ تباہی کی طرف جا رہا ہے

اسلامی تمدن کے امتیازی اور جداگانہ وجود کا احساس پیدا کرنے اور مغربی تمدن کی فاسد فطرت کو سامنے لا کر اس کی مرعوبیت ختم کرنے میں بھی تین ہی مقالات خاص طور پر اپیل کرتے ہیں۔ ان میں ہم ڈاکٹر کیو۔ احمد الرحمٰن علوی کی تحریر کو اولین مرتبے پر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا نظریہ بالکل ریاضیاتی اسلوب سے معلوم کسبے اور اس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے۔ موصوف نے دنیا بھر کے تمدنوں کو دو متقابل تاریخی طاقتوں

ہیں بانٹتا ہے۔ تمدنوں کا ایک قافلہ نظریۂ کفر کی شاہ راہ پر رواں ہے جس کی رُو سے ہمیشہ انسان نے اپنے آپ کو منفرداً یا مجتمعاً غیر معمولی اہمیت دے کر خدائی کے مقام تک پہنچایا ہے، اور تمدنوں کا دوسرا قافلہ نظریۂ اسلامی کی شاہ راہ پر گامزن نظر آتا ہے جو اس حقیقت کے اعتراف پر مبنی ہے کہ انسان نظامِ فطرت کا ایک جز اور اس کے قانون سازِ اعلیٰ کا تابع و منقاد ہے۔ ان باہمد گر کشمکش کرتے ہوئے نظریات پر گفتگو کر کے فاضل مقالہ نگار ہیں اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ تمدن کی منزل رَس شاہراہ صرف اسلام ہی ہے جو قانونِ سازِ فطرت کی بیش از بیش طاقت سے طے ہو سکتی ہے۔ ہماری رائے میں یہ بہت ہی صحت مندانہ نقطۂ نظر ہے اور اسے بڑی جرأت سے صاف صاف لفظوں میں پیش کر دیا گیا ہے۔ مثبت اسلامی رجحان کے لحاظ سے نور احمد صاحب کا مقالہ بھی قابلِ قدر ہے۔ البتہ مغربی جمہوریت کی تردید میں جو بحث کی گئی ہے وہ مبہم ہے۔ علامہ اسد کا ایک مقالہ "اسلام آن دی کراس روڈز" سے لیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ مغربی تمدن کے استرداد اور اس کے ناقدانہ تجزیہ کے لحاظ سے یہ ہمارے اسلامی شعور کو زیادہ مضبوط بناتا ہے۔ دو اور مقالات، ایک ڈبلیو۔ مانٹ گری واٹ اور دوسرا (DE LACY O'LEORY) کے قلم سے ایسے ہیں جو کچھ نہ کچھ وزن اسی مثبت پلڑے میں ڈالتے ہیں۔ اول الذکر میں سیکولر نظامِ تہذیب و تمدن کے خلاف آواز اٹھانے کے ساتھ واحد عالمی مذہب کی ضرورت پر گفتگو کی گئی ہے بلکہ اس کے ظہور کا واضح امکان پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے مقالے میں مغربی تہذیب و تمدن کے اہم عناصر فکری سیکولرازم، نیشنلزم اور جمہوریت کے خلاف ناقدانہ استدلال کر کے اسلام اور عیسائیت دونوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ باہم اگر تعاون کر کے اس مشترک دشمن طاقت کو شکست دیں۔

کچھ مقالات نظریاتی بحث سے ہٹ کر تاریخی اور معلوماتی مواد پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے پروفیسر ضیاء الدین اور ڈاکٹر ایس ایم امام الدین کے مقالات پُر افادیت ہیں۔

تنقید کا بے رحمانہ فریضہ ادا کرنے کے بعد ہم "اسلامک لٹریچر" کے ادارہ کی خدمت پر تحسین بھی کرنا چاہتے ہیں کہ اس نے اتنے متنوع مقالات ایک اہم موضوع پر پیش کر کے اپنے قارئین کے سامنے سوچنے کی راہیں کھول دی ہیں۔

**حقیقت الفقہ کامل** | از جناب حافظ محمد یوسف صاحب۔ ملنے کا پتہ: کتب خانہ سعودیہ، ۴۰۰ صفحات۔ معمولی معیارِ طباعت۔ قیمت ۳ روپے۔

یہ کتاب اہلِ حدیث کے نقطۂ نظر سے مسلکِ تقلید اور نظامِ فقہ (خصوصاً فقہ حنفی) کی مخالفت میں لکھی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کی روح فرقہ وارانہ اور مناظرانہ ہے یعنی دین کے اہم تر اصولی مفاد کے تحفظ اور الحاد و دہریت کی عالمگیر دشمن طاقت کے توڑ کے بجائے داخلی اختلافات کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اس کتاب کے ذریعے سب سے زیادہ ضرر رساں کارنامہ یہ سرانجام دیا گیا ہے کہ حنفی مدرسۂ فکر کی کتابوں سے اجتہادی فیصلوں اور فقہی احکام کو ان کے استدلال سے اور سیاق و سباقِ مباحث سے منقطع کر کے اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ اس مدرسۂ فکر کے داخلی اجتہادی اختلافات مضحکہ انگیز معلوم ہوں۔ یوں بھی منتخب کردہ مسائل کی کثیر تعداد ایسی ہے کہ اگر ان کو جدید تعلیم یافتہ لوگ دیکھیں تو ان کو صرف حنفی فقہ ہی سے نہیں، سرے سے دین ہی سے تنفر ہو جائے۔ اگر اسی ڈھب سے مسلمانوں کے مختلف مدارسِ فکر ایک دوسرے کی کمزوریاں اجاگر کرتے رہے تو وہ تاریخی کشمکش جو آج تہذیبِ باطل اور فکرِ اسلامی کے درمیان شروع ہو چکی ہے کسی دردناک انجام سے دوچار ہو کر رہے گی۔ آج ضرورت ان لوگوں کی ہے جو اسلامی مدارسِ فکر کے درمیان اقدارِ مشترک کو نمایاں کریں، ایک دوسرے کے اندر اتنی فراخدلی اور عالی ظرفی پیدا کریں کہ سب آپس میں اختلاف کرنے کا حق مان لیں اور جزئی مسائل پر ہنگامہ آرائی سے باز آئیں۔ اسلاف کے پورے سرمایۂ علمی کو مشترک میراث مانیں اور جہاں سے بھی حق اور خیر کا کوئی پہلو ملے اسے سر آنکھوں سے لگائیں۔ بحثیں اگر ہوں بھی تو بہتر یہ ہے کہ اپنے اپنے مدرسۂ فکر کے حق میں مثبت طریق سے معلومات دی جائیں۔ دوسروں پر کیچڑ اچھالنا یوں بھی گھٹیا حرکت ہے لیکن اس وقت جس تاریخی مرحلے سے اسلام دوچار ہے اس کے لحاظ سے تو یہ اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔